© rasailojaraid.com

محمد اسحاق بھٹی

فتاویٰ عالمگیری

(۴)

قاضی نظام کے ایک اور اُستاد

شیخ نظام برہان پوری نے شیخ ابوتراب بن ابوالمعالی بن علم اللہ حنفی صالحی امیٹھوی ثم بیجاپوری کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیے۔ شیخ ابوتراب فقہ و اصول کے بلند پایہ علما میں سے تھے۔ یہ بیجاپور میں پیدا ہوئے، اور وہیں پلے بڑھے۔ شیخ علی محمد بن اسداللہ علوی گجراتی سے تحصیل علم کی اور ایک عرصہ ان کے ساتھ منسلک رہے، یہاں تک کہ علوم میں اپنے تمام معاصرین پر فوقیت حاصل کر گئے اور ان کا شمار اپنے شہر کے اکابر علما میں ہونے لگا۔ پھر درس و افادۂ عام میں مشغول ہو گئے اور اس میں آدھی عمر صرف کر دی۔ ان کے زمانہ میں شہر بیجاپور کی ریاست علمیہ کا منتہائے نظر یہی تھے۔ فتاویٰ عالمگیری کے مرتب شیخ نظام الدین برہان پوری اور بہت سے علما نے ان کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونے کا فخر حاصل کیا۔

۲۰ صفر ۱۰۸۶ھ میں فوت ہوئے اور اپنے دادا شیخ علم اللہ کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔[۱]

شیخ نظام کے بیٹے

شیخ نظام کے چار بیٹے تھے۔ ان کے مفصل حالات تو نہیں ملتے البتہ تذکرہ نگاروں نے مختلف مقامات پر ان کا مختلف انداز سے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام شیخ ابوالخیر[۲]۔ ایک کا شیخ عبداللہ[۳]۔ ایک کا شیخ لاڈ[۴] اور ایک کا ملک منور[۵] ہے۔ اورنگ زیب ان کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس نے ان کو بہترین

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵ - ص ۱۳

[۲] مآثر عالمگیری (فارسی) ص ۱۳۴، ۲۸۸

[۳] ایضاً ص ۲۵۴، ۲۹۷

[۴] ایضاً، ص ۲۹۷

[۵] ایضاً ص ۲۹۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطابات اور ان کے شایان شان مناصب سے نوازا تھا۔ اس سلسلے میں مآثر عالمگیری کا مصنف لکھتا ہے:

"ملک منور و شیخ لاد و شیخ عبداللہ و پسرانش و اقربائے او چند کس بخطابہائے عمدہ و مناصب شایان کہ ہیچ کدام از چہار ہزاری کم نیست و خلاع و علم و نقارہ و اسپان و فیلان سرفرازی یافتند"[1]

یعنی فرزندانِ شیخ، ملک منور، شیخ لاڈ اور شیخ عبداللہ اور شیخ کے چند اعزہ و اقارب عمدہ خطابات و مناصب سے جو اُن کی شان کے عین مطابق تھے اور چار ہزاری سے کم نہ تھے، سرفراز کیے گئے۔ نیز ان تمام لوگوں کو خلعت، علم، نقارہ، گھوڑے اور ہاتھی کے عطیات سے نوازا گیا

خود شیخ کو بھی بادشاہ نے مقرب خاں کا خطاب دیا اور شش ہزاری پنج ہزار سوار کا منصب عطا کیا۔

علاوہ ازیں خلعتِ خاص اور شمشیر و خنجر با علاقہ مروارید و سپر مرصع و علم و نقارہ اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور تیس عربی و عراقی گھوڑے اور دو عدد ہاتھی بھی دیے۔

شیخ نظام کے بارے میں ایک تاریخی الجھن

لیکن سوال یہ ہے، یہ خطابات و مناصب اسی شیخ نظام اور ان کے بیٹوں اور افراد خاندان کو دیے گئے جو برہان پوری کہلاتے اور فتاویٰ عالمگیری کے مرتب ہیں یا کسی اور شیخ نظام اور ان کے افراد خاندان کو؟

مآثر عالمگیری میں شیخ نظام حیدر آبادی کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور اسی کے ذکر کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ عالمگیر کی طرف سے یہ خطابات و مناصب اس کو اس کے بیٹوں کو اور اس کے افرادِ خاندان کو دیے گئے تھے[2]۔ اور شیخ لاڈ، ملک منور وغیرہ اسی شیخ نظام حیدر آبادی کے بیٹے تھے۔

بہر حال التباس اسمی کے سلسلے کی یہ ایک تاریخی الجھن ہے جو حضرات تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں امید ہے وہ اس پر غور فرمائیں گے اور اس الجھن کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ بعض لوگوں نے اس کے کچھ حصے کو باہم خلط ملط کر دیا ہے۔ اور شیخ نظام برہان پوری اور شیخ نظام حیدر آبادی کو ایک ہی بنا دیا ہے۔

شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی

مرتبین فتاویٰ عالمگیری میں سے ایک عالم ٹھٹھہ (سندھ) کے شیخ نظام الدین بن نور محمد بن شکر اللہ

---

[1] مآثر عالمگیری (فارسی) ص ۲۹۷

[2] ملاحظہ ہو مآثر عالمگیری اردو ترجمہ [illegible] نفیس اکیڈمی کراچی) ص ۲۹۶، ۳۱۰، ۳۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن ظہیر الدین بن شکر اللہ حسینی ٹھٹھوی ہیں۔ ان کا شمار سندھ کے ان علما میں ہوتا ہے، جو فقہ اور اصول میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ یہ ٹھٹھہ سے دہلی تشریف لائے اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین و تالیف کے لیے ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ بعد ازاں یہ عالمگیر سے (فوجی) منصب کے طالب ہوئے لیکن اس نے یہ بات منظور نہ کی، اس لیے کہ وہ اہل علم کو فوجی خدمات پر مامور نہ کرتا تھا۔ اس نے ان کے لیے گراں قدر وظیفہ مقرر کر دیا مگر شیخ نظام الدین اس پر راضی نہ ہوئے اور ہمیشہ دار الخلافہ میں مقیم رہے۔[1]

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"سید نظام الدین ٹھٹھوی در فقہ اوفق انام و در علوم اعلم کرام برآمدہ، بجذبہ طبع گرائیدہ سوئے شاہ جہان آباد شتافت و در تالیف فتاویٰ عالمگیری بسے مشکلات حل کردہ۔ ٹھٹھہ شہر یست از توابع سندھ"۔[2]

(سید نظام الدین ٹھٹھوی علم فقہ میں سب سے کامل اور دیگر علوم میں عالم اجل اور ماہر تھے۔ جذبۂ رغبتِ طبع کی بنا پر شاہ جہان آباد (دہلی) تشریف لائے اور فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں بہت سے مشکل اور پیچیدہ مسائل کی عقدہ کشائی کی۔ ٹھٹھہ صوبہ سندھ کا ایک شہر ہے)

شیخ نظام الدین سندھ کے ایک بلند پایہ علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آبا و اجداد شیراز کے رہنے والے تھے انھوں نے بعد میں ہرات میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس خاندان کے ایک بزرگ قاضی شکر اللہ بن وجیہ الدین (یا وجیہ الدین) حدیث، فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ علاوہ ازیں اتقا و تدین میں بھی انھیں بہرۂ وافر حاصل تھا۔ یہ بزرگ ۹۰۶ھ میں ہرات سے قندھار منتقل ہوئے۔ اکیس سال وہاں مقیم رہنے کے بعد ۹۲۷ھ میں سندھ کے ایک شہر ٹھٹھہ تشریف لے آئے۔ اس زمانے میں سندھ کا حکمران شاہ بیگ تھا۔ اس نے ان کی خداداد صلاحیتوں اور حسنِ سیرت سے متاثر ہو کر انھیں ٹھٹھہ کی مسند قضا پر فائز کر دیا۔ اس منصب

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۵۔ ص ۴۱۹، ۴۲۰۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن (۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء)

[2] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۸۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ذمہ داریوں کو انھوں نے نہایت وقار و احترام اور دبدبہ و طنطنہ کے ساتھ انجام دیا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجیے کہ شاہ بیگ کے بعد اس کا بیٹا شاہ حسین تخت سندھ پر متمکن ہوا تو اس نے بعض تاجروں سے چند گھوڑے خریدے اور ان کی قیمت ادا کرنے پر عمداً تساہل اور تاخیر سے کام لیا۔ تاجروں نے نا امید ہو کر قاضی شکر اللہ سے رجوع کیا اور ان کی عدالت میں بادشاہ کے خلاف مدعی بن کر حاضر ہوئے۔ قاضی موصوف نے مدعا علیہ کی حیثیت سے بادشاہ کو عدالت میں طلب کیا۔ وہ عدالت میں حاضر ہوا تو اسے مدعی تاجروں کے ساتھ کھڑا ہونے کا حکم دیا گیا۔ دعویٰ پیش ہوا تو قاضی کے سوال کرنے پر مدعا علیہ بادشاہ نے تاجروں کے موقف کی تصدیق کی اور قیمت ادا نہ کرنے کا اقرار کیا۔ قاضی نے تاجروں کے حق میں فیصلہ دیا اور سلطان نے تاجروں کو قیمت ادا کر دی۔ فیصلے کے بعد قاضی شکر اللہ اپنی جگہ سے اٹھے، قاعدہ کے مطابق آداب سلطانی بجا لائے اور سلطان کو اپنے پاس بٹھایا۔ اب بادشاہ نے تلوار نکالی جو اس نے قبا میں چھپا رکھی تھی اور اسے قاضی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ یہ تلوار میں نے آپ کے لیے رکھی تھی۔ اگر آپ صحیح فیصلہ نہ کرتے اور میرے لحاظ و آداب میں اپنے مقام کا خیال نہ رکھتے تو اس تلوار سے آپ کی گردن اڑا دیتا۔ اس کے بعد سلطان اس فیصلے پر اظہار مسرت کرتے ہوئے عدالت سے باہر نکل گیا۔ اس نے تاجروں کو صرف اس بنا پر قیمت ادا کرنے میں تساہل سے کام لیا تھا کہ وہ قاضی موصوف کو اپنے بارے میں آزمانا چاہتا تھا اور اسے یہ معلوم کرنا مقصود تھا کہ قاضی صحیح فیصلہ کرتا ہے یا نہیں۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد قاضی شکر اللہ منصبِ قضا سے الگ ہو گئے اور لوگوں سے منقطع ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔[1]

قاضی شکر اللہ اور ان کے خاندان کے بارے میں پیر حسام الدین راشدی لکھتے ہیں۔

"قاضی سید شکر اللہ کی نسبت سے میر نظام الدین کا خاندان ٹھٹھہ میں ساداتِ شکر اللّٰہی شیرازی کے نام سے موسوم ہوا۔ اس خانوادہ کے تقریباً تمام افراد علم و فضل نیز دینی مرتبے کی وجہ سے یگانۂ روزگار ہوتے آئے ہیں۔ آج بھی ان کا خاندان اپنے قدیم محلے میں آباد ہے۔"[2]

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۴۔ صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹

[2] ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء مضمون "فتاویٰ عالمگیری کے دو سندھی مؤلفین اور ان کے اجداد" (صفحہ ۴۰۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوالخیر ٹھٹھوی

شیخ ابوالخیر بھی صوبہ سندھ کے مشہور علمی شہر ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے اور فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں سے تھے۔ تذکرہ علمائے ہند میں ان کے بارے میں مرقوم ہے:

"محمد ابوالخیر ٹھٹھوی در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل بود۔"[1]

یعنی محمد ابوالخیر ٹھٹھوی فتاویٰ عالمگیری کے سلسلے میں شریک استنباط مسائل تھے۔

نزہۃ الخواطر میں تحفۃ الکرام کے حوالے سے مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی لکھتے ہیں:

الشیخ العالم الفقیہ ابوالخیر الحنفی التتوی السندھی احد العلماء المشھورین بالفقہ، کان من نسل الشیخ فضل اللہ السندھی، ولاہ عالمگیر ابن شاہجہان الدھلوی سلطان الھند علی تدوین الفتاوی الھندیۃ[2]

[شیخ عالم فقیہ ابوالخیر حنفی ٹھٹھوی سندھی ان علما میں سے تھے جو علم فقہ میں خاص شہرت کے حامل ہیں۔ یہ شیخ فضل اللہ سندھی کی اولاد سے تھے۔ سلطان ہند عالمگیر بن شاہ جہان نے انھیں فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) کی تدوین پر مقرر کیا]

اب سوال یہ ہے کہ یہ شیخ فضل اللہ سندھی کون تھے؟ ان کے بارے میں نزہۃ الخواطر کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

الشیخ العالم الکبیر فضل اللہ الحنفی السندھی احد العلماء العاملین کان دائم الاشتغال بالدرس والافادۃ فی العلوم الدینیۃ[3]

[شیخ، عالم کبیر فضل اللہ حنفی سندھی باعمل علما میں سے تھے۔ ہمیشہ درس و تدریس اور افادۂ علوم دینیہ میں مشغول رہتے تھے]

تذکرہ علمائے ہند کے مصنف فرماتے ہیں:

مخدوم فضل اللہ ٹھٹھوی نحریر وقت، جامع فضائل قدسیہ، حاوی معارف انسیہ، محلّی حلیہ ورع

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۱
[2] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۸
[3] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وتقویٰ، ہموارہ بدرس علوم اشتغال داشت، معاصر مرزا عیسیٰ ومرزا باقی [1]

(مخدوم فضل اللہ ٹھٹھوی فاضل وقت، جامع فضائل قدسیہ، زیورِ ورع وتقویٰ سے آراستہ اور ہمیشہ درسِ علوم میں مشغول رہتے تھے۔ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کے ہم عصر تھے)

تذکرہ علمائے ہند کے اردو ترجمہ میں تحفۃ الکرام کے حوالے سے قاضی فضل اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ "...... ان کی اولاد میں مخدوم ابوالخیر تھے....." [2]

شیخ ابوالخیر کا تعارف کراتے ہوئے پیر حسام الدین راشدی اپنے ایک مضمون بعنوان "فتاویٰ عالمگیری کے دو سندھی مؤلفین اور ان کے آباو اجداد" میں لکھتے ہیں۔

"یہ (شیخ ابوالخیر) ٹھٹھہ کے مشہور عالم اور بزرگ علّامہ مخدوم فضل اللہ کے فرزند تھے جن کے متعلق تحفۃ الکرام میں ہے کہ:

"جامع فضائل قدسیہ، حاوی معارف انسیہ، محلی زیورِ ورع وتقویٰ بود، ہموارہ بدرس علوم اشتغال دارد۔"

تاریخ معصومی اور مآثر رحیمی میں بھی تھوڑے سے تغیر وتبدل کے ساتھ اسی طرح ان کی تعریف کی گئی ہے۔ وہ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی ترخان کے معاصر تھے۔ ان کے فرزند مخدوم ابوالخیر کے لیے تحفۃ الکرام کا مصنف بیان کرتا ہے کہ:

"در زمانۂ خویش طالب علم کامل برآمدہ، در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباطِ مسائل شد۔"

ان کے ایک فرزند ہوا، ملا اسحاق، جو خود بھی بقول تحفۃ الکرام جامع کمالات تھا۔ ان کے ایک بیٹا کمال الدین ہوا جس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔" [3]

شیخ رضی الدین بھاگلپوری

شیخ رضی الدین بھاگلپوری کا اسم گرامی بھی مرتبین فتاویٰ عالمگیری کی فہرست میں شامل ہے۔ یہ عالم

---

[1] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۷۳

[2] تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ۔ ص ۵۵۹۔ بحوالہ تحفۃ الکرام

[3] ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ۔ بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء۔ ص ۴۴۲، ۴۴۳ (بحوالہ تحفۃ الکرام۔ تاریخ معصومی اور مآثر رحیمی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور فقیہ تھے اور اپنے دور کے اکابر و فحول علما میں سے تھے۔ ترویج علوم میں مشغول رہتے اور اس باب میں اس درجہ ممتاز تھے کہ ان کی شہرت چار سو پھیل گئی اور حلقۂ علما میں ان کی فضیلت کا علم لہرانے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے سلسلے میں ان کی خدمات حاصل کیں اور تین روپے روزانہ وظیفہ مقرر کیا۔ ان میں ایک خوبی یہ تھی کہ یہ قواعدِ حرب اور سیاسیات ملکی میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ عالمگیر سے قاضی محمد حسین محتسب اور بختاور خاں نے ان کی سفارش کی، اس کو ان کی گوناگوں خوبیوں سے آگاہ کیا اور اس نے انھیں ۱۰۷۹ھ میں یک صدی منصب عطا کیا اور ۱۰۹۰ھ میں خان کے لقب سے ملقب کیا۔ اپنی مہارت جنگی کی وجہ سے جنگ اودی پور میں عساکرِ شاہی میں شامل ہوئے اور کفار سے شدید جنگ لڑی۔ پھر امیر حسن علی خاں کے نائب کی حیثیت سے اقطاعِ برار کی تولیت ان کے سپرد کی گئی جس پر ایک مدت تک متعین رہے۔ ۱۰۹۶ھ میں سرزمین برار میں فوت ہوئے[1]

ان کے بارے میں مآثر عالم گیری کے (فارسی) الفاظ ملاحظہ ہوں

شیخ رضی الدین از اشراف بھاگلپور بہار، فاضل متبحر در مؤلفینِ فتاویٰ عالم گیری منخرط بود۔ سہ روپیہ یومیہ می یافت۔ چوں در اکثر فنونِ دیگر ہم دست داشت وسپاہ گری و عملداری وندیمی و از ہر جا خبرداری علاوۂ آں۔ بوساطتِ قاضی محمد حسین جون پوری محتسب حضورِ پُرنور ومقرب الخدمت بختاور خاں کمالاتش بعرضِ خدیو فضلا نواز ہنروران پرداز رسید یک صدی منصب یافت و رفتہ رفتہ باسعادِ حسن علی خاں وامدادِ حُسنِ مساعی و سلیقۂ طالع توأمان بمرتبہ امارت وخانی فائز گردید و مصدرِ کارہائے عمدہ شد۔ دستِ آخر در مہدِ فنا فرو خوابیدہ : ع

افسانہ ہا بہ بستنِ مژگان تمام شد[2]

مولانا محمد جمیل جونپوری

فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین کی فہرست میں جون پور کے ایک علمی خاندان کے مشہور بزرگ اور بہت

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۱۴۹۔ نیز ملاحظہ ہو مآثر عالمگیری اُردو ترجمہ، ص ۱۰۷، ۱۰۸ (شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ اپریل ۱۹۶۲ء)

[2] مآثر عالمگیری، ص ۹۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑے عالم مولانا محمد جمیل بن مفتی عبد الجلیل بن مفتی شمس الدین صدیقی بروتوی جون پوری کا نام نامی بھی شامل ہے۔ یہ ہندوستان کے عظیم المرتبت علما میں سے تھے، جو ذی القعدہ ۱۰۵۵ھ میں شہر جون پور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شرح وقایہ اور مختصر المعانی تک درسی کتابیں شیخ محمد رشید بن مصطفیٰ عثمانی جون پوری سے پڑھیں اور باقی کتب درسیہ کے لیے شیخ نور الدین جعفر بن عزیز اللہ جون پوری کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے تکمیل تعلیم کے بعد خود درس و افادہ کا سلسلہ شروع کیا۔ ذہن نہایت رسا، قوتِ ادراک انتہائی اخاذ، ملکۂ فراست بدرجۂ غایت تیز اور فکر بڑا پاکیزہ پایا تھا۔ کئی بہترین اور عمدہ تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں، جن میں معانی و بیان کی معروف کتاب "مطول" اور علم نحو کی شرح جامی کی بحث عطف پر حواشی شامل ہیں۔ علاوہ ازیں ایک رسالہ علم فقہ اور ایک تصوّف کے بارے میں (تنبیہاتِ جمیلی) سپردِ قلم کیا۔ ان کا بہت بڑا علمی کارنامہ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تصنیف میں شمولیت ہے۔

ان کے شاگردوں کا حلقہ بھی خاصا وسیع ہے۔ جیسا کہ "گنج ارشدی" میں مرقوم ہے، شیخ غلام رشید بن محب اللہ جونپوری بھی ان کے حلقۂ درس میں شامل رہے اور انھوں نے ان سے مختصر المعانی اور مطول مع حاشیہ سید[1] تفتازانی کی شرح العقائد مع حاشیہ خیالی، شرح المطالع مع حاشیہ سید[2]، حسامی، نور الانوار کے کچھ اجزا، شرح الوقایہ، ہدایۃ الفقہ، شیخ محمود بن محمد جونپوری کا رسالہ الجبر والاختیار" اور ان کے استاذِ مکرم شیخ محمد رشید کی معروف تصنیف رشیدیہ پڑھیں۔

"بحرِ زخار" کے بیان کے مطابق شیخ نظام الدین اورنگ آبادی، شیخ نور الہدیٰ ابٹھوی، سید حسن رسول نما، اور بہت سے لوگوں نے ان سے تعلیم حاصل کی۔

جیسا کہ "گنج ارشدی" میں مذکور ہے، انھوں نے ۶ رجب ۱۱۲۳ھ میں (۶۸ سال عمر پاکر) جون پور میں وفات پائی اور مفتی محمد صادق کے قبرستان میں (اپنے والد مُلا عبد الجلیل کی قبر کے پہلو میں) دفن کیے گئے[3]۔

ان کے تلامذہ کی فہرست میں مشہور عالم اور معروف عابد و زاہد مولانا نور الدین گنت پوری جون پوری

۱، ۲ یعنی سید شریف علی بن محمد الجرجانی (متوفی ۸۱۶ھ)

۳ نزہۃ الخواطر جلد ۶، ص [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نام بھی تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے[۱] انھیں مولانا نورالدین غازی پوری بھی کہتے ہیں، کیونکہ گنت پور، عملداری غازی پور میں واقع تھا۔

مولانا محمد جمیل کے اساتذہ میں مولانا نورالدین مداری کا نام بھی تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ انھوں نے ان سے درسی کتابوں کے علاوہ انوار العلوم خاص طور سے پڑھنی شروع کی، ابھی کتاب ختم نہ ہونے پائی تھی کہ استاذ یعنی مولانا نورالدین نے دہلی کا قصد کیا۔ شاگرد نے اس پر افسوس کا اظہار کیا۔ استاذ نے فرمایا۔ اب تمھیں درس کی ضرورت نہیں ہے، مطالعہ کافی ہے[۲]

ذہین وطباع اس درجہ کے تھے کہ ایک مرتبہ "مطول" کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کر کے اپنے استاذ مولانا نورالدین کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان کیا۔ استاذ نے فرمایا۔ "اس عبارت کا مطلب میں نے آج تمھاری تشریح سے سمجھا[۳]"

ان کی فطانت وذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو مُلا جلال اور مُلا شریف کہا کرتے تھے۔ جب دہلی گئے تو تمام علما پر ان کی علمی ہیبت طاری ہوگئی۔ اس ضمن میں مشاہیر جون پور کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"آن چناں جودتِ ذہن بود کہ اگر یک بار متن کسے کتاب بیند حاجتِ حاشیہ نہ افتد۔ ہر مطالبِ دقیق کہ پیش آید فوراً بقوتِ ذہن حل گردد، بارہا استادش فرمودے کہ مُلا جمیل را مماثل علّامہ میر شریف و مُلا جلال گفتن بے جا نیست ۔ وقتیکہ مُلا جمیل واردِ دہلی شدہ، شہرۂ فضیلتش چناں شائع گردید و ہیبتش طاری شد کہ بہر درس کہ رسیدے درس موقوف گشتے۔ روزے در مدرسۂ مُلا لطف اللہ دہلوی رفت، در یک سطر ہفت یا ہشت شبہات پیش نمود مُلا لطف اللہ از جوابش عاجز آمد[۴]"

یعنی قوتِ ذہن اس درجہ تیز تھی کہ ایک بار کسی کتاب کا متن دیکھ لیتے تو حاشیہ کی طرف رجوع کرنے کی

---

۱ نزہۃ الخواطر جلد ۶، ص ۳۹۲۔

۲ معارف اعظم گڑھ (دسمبر ۱۹۴۶ء) بحوالہ مشاہیر جون پور، ص ۸۷۔

۳ معارف اعظم گڑھ (دسمبر ۱۹۴۶ء) بحوالہ مشاہیر جون پور، ص ۸۷۔

۴ مشاہیرِ جون پور۔ ص ۸۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت باقی نہ رہتی ۔ جو بھی دقیق مطالب سامنے آتے فوراً قوتِ ذہن سے ان کی گرہیں کھل جاتیں ۔ ان کے استاذ اکثر فرماتے تھے کہ مُلّا جمیل کو علامہ میر شریف اور مُلّا جلال کے مماثل قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔

مُلّا جمیل جب واردِ دہلی ہوتے تو ان کی فضیلت کا شہرہ اس قدر پھیلا اور علما پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ جس حلقۂ درس میں چلے جاتے سلسلۂ درس موقوف ہو جاتا ۔ ایک روز مُلّا لطف اللہ دہلوی کے درس میں گئے تو زیرِ درس کتاب کی، ایک سطر میں سات یا آٹھ شبہات وارد کیے اور مُلّا لطف اللہ ان کا جواب دینے سے عاجز آ گئے ۔

بہرحال مولانا محمد جمیل بہت بڑے عالم تھے اور درس و تدریس ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا ۔ جونپور کے محلہ مفتی میں ایک وسیع اور پختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا ۔ اس میں خود درس دیتے اور لوگوں کی اصلاحِ باطن فرماتے ۔ لیکن اب یہ گہوارۂ علم اور مرکزِ روحانیت برباد ہو گیا ہے ۔ اس سلسلے میں "مشاہیرِ جون پور" کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں کیسے درجہ دردناک انداز سے لکھتے ہیں :

"چوں زمانہ دگرگوں شد، اکنوں آثاری ہم باقی نہ ماند ۔ جز اینکہ بر ایں زمین کہ پیش دروازہ شاہ طفیل حسین است، کشت کاری می شود و چشمِ بصیرت مشاہدہ ہنجار دنیا می کند"[1]

[زمانہ انقلاب کی اس قدر تیز لہروں میں آ گیا اور رنگِ دہر بدل گیا ہے کہ اب اس (درس گاہ، اور خانقاہ) کے کوئی آثار باقی نہیں رہے، سوائے اس کے کہ دروازۂ شاہ طفیل حسین کے سامنے کی زمین پر کاشت کاری ہوتی ہے اور چشمِ بصیرت اس دنیائے ناہنجار کی عبرت ناکیوں کا مشاہدہ کرتی ہے]

مولانا محمد جمیل جہاں ایک رفیع القدر عالمِ دین تھے، وہاں بہت بڑے صوفی بھی تھے اور لوگوں کے قلب و باطن کی اصلاح بھی کرتے تھے ۔ دیوان عبد الرشید سے باقاعدہ بیعت تھے ۔

"علاوہ فضائلِ صوری، صاحبِ کمالاتِ باطنی ہم بود و بیعت و ارادت از دیوان عبد الرشید آورد"[2]

مولانا محمد جمیل کی بے شمار علمی خدمات میں سے فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں ان کی شمولیت، خاص اہمیت کی حامل ہے ۔ اس کے لیے خود عالمگیر نے انھیں منتخب کیا ۔ چنانچہ مشاہیرِ جون پور کے مصنف

---

[1] مشاہیرِ جون پور ص ۹۰ [2] ایضاً ص ۱۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہیر لکھتے ہیں:

"وقتیکہ عالمگیر بادشاہ دہلی جہت نمود فتاوی منسوب باسم خود، فضلائے ناموران دیار ہند طلبید۔ از جون پور ملا جمیل را برچید و ایشاں را بخوبی خواست شریک مجمع اجتماع نمود"[1]

یعنی جب بادشاہِ دہلی، اورنگ زیب عالمگیر نے ایسا فتاوی مرتب ہونے کی طرف عنانِ توجہ مبذول کی جو اس کے نام کی طرف منسوب ہو تو اس نے دیارِ ہند کے ناموَر فضلا کو طلب کیا۔ اس ضمن میں جون پور سے ملا جمیل کو منتخب کیا اور ذاتی طور پر ان سے درخواست کی کہ وہ (مرتبینِ فتاوی کی) اس جماعت میں شریک ہوں۔

اس ہمہ اوصاف متصف عالمِ دین نے اس دنیا سے جب کوچ کیا تو حلقۂ اہلِ علم میں کہرام بپا ہو گیا۔ ان کی تاریخِ وفات اس رباعی سے نکالی گئی ہے:

مُرد ملا جمیل علمش مُرد　　خانہ باقی نہ صاحبِ خانہ

بہرِ تاریخ فاضل نامی　　از فضیلت ربود افسانہ

تاریخِ مشاہیرِ جون پور میں ان کے پسماندگان میں سے تین بیٹوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو مولوی غلام معین الدین عرف شاہ امید علی، شاہ طفیل حسین اور شاہ بنیم الحسن کے نام سے موسوم ہیں۔

[1] مشاہیرِ جونپور، ص ۸۸

سرگزشتِ غزالی : از مولانا محمد حنیف ندوی

عربی میں غزالی کی ایک مشہور کتاب "المنقذ من الضلال" ہے جس میں امام نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ انھوں نے عام تعلیم و تعلم کی پرشکوہ زندگی کو چھوڑ کر تلاشِ حقیقت کی کٹھن راہ کیوں اختیار کی۔ جبّہ و عبا اور مسندِ درس سے کیوں دستکش ہوئے۔ کس طرح دنیا سے دل بیزار ہوا اور تصوّف کے لیے لگن پیدا ہوئی۔ دنیا کی حقیقت کیا ہے۔ علومِ دنیا کی کیا قدر و قیمت ہے اور کس حد تک قلب و روح کی تشنگی ان سے دُور ہوتی ہے۔

اس کتاب کا مغرب کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ فاضل مترجم نے اسے اردو کے دلکش قالب میں پیش کیا ہے۔ مقدمہ میں ان کے فلسفۂ تعلیل کی مفصل اور حکیمانہ تشریح کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ غزالی نے کیونکر ہیوم سے بہت پہلے نظریۂ تعلیل کی خامیوں کو بھانپ لیا تھا۔ صفحات: ۲۰۰، قیمت: ۵/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com